الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النّبین

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح معانی الآثار کے نوٹس

مصنف: ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ

تحریر: فضیل رضا قادری عطاری

استاد: مفتی طارق عطاری المدنی

جامعۃ المدینہ فیضان ضیائے مدینہ کراچی

امام طحاوی کے حالات زندگی

نام ونسب:

ابو جعفر احمد بن محمد ازدی حجری مصری طحاوی۔ اَزْدْ، یمن کے ایک مشہور قبیلے کا نام ہے اور حجر اسکی ایک شاخ ہے۔اور چونکہ آپ کا نسبی تعلق ازد حجر سے تھا اس وجہ سے آپ ازدی حجری کہلاتے ہیں۔

اور آپ ملک مصر کی طرف نسبت کی وجہ سے **مصری**،اور صحرائے مصر کے ایک گاؤں طحا کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے **طحاوی** کہلاتے ہیں۔

ولادت:

امام طحاوی نے بیان کیا کہ میری پیدائش 239ھ بمطابق 853ء میں ہوئی۔

اساتذہ:

امام طحاوی کے شیوخ واساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے ان میں چند ایک یہ ہیں۔

1. ابراھیم بن ابوداؤد۔
2. احمد بن مسعود مقدسی۔
3. اسحاق بن ابراھیم مزنی۔
4. احمد بن قاسم کوفی۔

تلامذہ:

1. ابو عثمان احمد بن ابراھیم۔
2. ابو محمد حسن بن قاسم۔
3. عبدالرحمٰن بن اسحاق جوھری۔
4. سلیمان بن احمد طبرانی۔

تصانیف:

01)احکام القرآن۔02)شرح معانی الآثار۔03) صحیح الآثار۔

04)شرح الجامع الصغیر۔05)شرح الجامع الکبیر۔06)العقیدۃ الطحاویہ۔

وفات:

آپ کی وفات بالاتفاق بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات 30 شوال 321ھ کو مصر میں ہوئی۔

مسلک:

امام طحاوی شروع میں شافعی تھے. لیکن پھر بعد میں شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کر لیا۔

شافعی مذھب چھوڑنے کا واقعہ:

یہ ہے کہ آپ کے ماموں نے ایک مرتبہ مسئلہ بیان کیا کہ جب کوئی حاملہ عورت مر جائے۔اور زندہ بچہ پیٹ میں ہو تو اس کو نکالا نہیں جائے گا۔جب کہ امام اعظم کے نزدیک اس زندہ بچے کو نکالا جائے۔امام طحاوی کو جب اپنی ولادت کے بارے معلوم ہوا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ ماں کے پیٹ میں تھے۔تو آپ نے فرمایا کہ میں اس مسلک پر کس طرح چلوں کہ جو میری ہلاکت پر راضی ہے۔اس وجہ سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کیا۔

اسلوب طحاوی:

تمام امہات کتب حدیث میں اما طحاوی کا طرز سب سے منفرد اور دلچسپ ہے وہ ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں پھر ذکر کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ احناف کا اس مسئلہ میں یہ مؤقف ہے۔اور ان کی دلیل ایک اور حدیث ہے جو اس حدیث کے مخالف ہے پھر اس حدیث کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں۔اخیر میں مذہب احناف کو تقویت دیتے ہیں دونوں حدیثوں کا الگ الگ محل بیان کر کے تعارض دور کرتے ہیں اور کبھی پہلی حدیث کی سند کا ضعف ثابت کر کے دوسری حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات پہلی حدیث کا منسوخ ہونا واضح کر دیتے ہیں۔نیز انہوں نے ہر باب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ احناف کی تائید کرنے کے لیے آخر میں ایک عقلی دلیل پیش کی جائے۔اور اگر مسلک احناف پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہو تو اس کو بھی دور کرتے ہیں۔

كتاب الصلاة

﴿باب الاذان کیف ھو؟﴾

اذان کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک آذان کے کلمات انیس ہیں۔ وہ اس طرح کے پہلی تکبیر چار بار، شہادت آٹھ بار، حیعلہ چار بار، دوسری تکبیر دو بار، اور کلمہ توحید ایک بار ہے۔ تو یہ کل انیس کلمات ہوئے۔

امام اعظم کا مذہب:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اذان کے پندرہ کلمات ہیں۔ یعنی پہلی تکبیر چار بار، شہادت چار بار حیعلہ چار بار، دوسری تکبیر دو بار، اور آخر میں کلمہ توحید ایک بار۔ نیز امام احمد اور امام اسحاق رحیم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام طحاوی کا راجح قول:

امام طحاوی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک یہ قول کہ اذان کی ابتدا میں تکبیر چار بار ہے، قیاس کے مطابق زیادہ صحیح ہے کیونکہ اذان کے بعض کلمات دو مقامات پر ہیں جیسے: "أشهد أن لا إله إلا الله" اور اذان کے آخر میں "لا إله إلا الله" اور بعض ایک مقام پر ہیں۔ جیسے: "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح"۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اذان کے کلمات دو مقامات پر آتے ہیں وہ پہلے مقام پر دوسرے مقام سے دگنے. پڑے جائیں گے۔ جیسے: "أشهد أن لا إله إلا الله" کو شروع میں دگنا پڑھا جاتا ہے۔ تو قیاس یہ ہے کہ "اللہ اکبر" جو کہ اذان میں دو مقام پر آتا ہے تو اسے بھی دوسرے سے پہلے مقام میں دھونا پڑھا جائے گا۔ اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ دوسرے مقام پر دو بار ہی پڑھا جائے گا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شروع اذان میں اللہ اکبر چار بار ہونا چاہیے. اسی کو امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ صحیح ہے اور یہی قول احناف کا ہے۔ البتہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اذان کی ابتدا میں تکبیر دو بار ہے۔

اذان کے کلمات میں اصل اختلاف دو مقامات پر ہے

01) تکبیر میں۔

02) شہادتین میں۔

امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک شہادتین میں ترجیع ہے۔

دلیل:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان اس طرح سکھائی کہ اس میں شہادتین میں ترجیع تھی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب:

امام اعظم کے نزدیک آذان کے کلمات میں ترجیع نہیں ہے۔

امام اعظم کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے ایک شخص اترا جو سبز رنگ کے دو کپڑے یا دو چادریں پہنا ہوا تھا اس نے دیوار کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی جس میں تکبیر چار بار تھی البتہ ترجیع کا ذکر نہیں۔ پھر حضرت عبداللہ. بن زید رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ سب کچھ بتایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**نعم ما رأیت علّمه بلالا**"تم نے کیا ہی اچھی چیز دیکھی، یہ بلال کو سکھا دو۔

ترجیع سے مراد:

مذکورہ روایات میں ترجیع کا ذکر آیا۔ ترجیح سے مراد یہ ہے کہ اذان میں کلمہ شہادت کو پہلے ایک بار آہستہ سے کہا جائے اور دوسری بار بلند آواز سے کہا جائے اس طرح یہ شہادت چار بار ہو جائے گی۔

حضرت ابو محذورہ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کی احادیث میں تطبیق:

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اس قدر آواز بلند نہ کی ہو جس قدر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ یہ کلمات کہنے کا حکم فرمایا۔ جب یہ احتمال ہے تو صحیح قول معلوم کے لیے قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔ تو ہم نے غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ قیاس بھی ترجیع کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح کے ترجیع کے بارے میں اختلاف صرف اور صرف شہادتین میں ہے باقی کلمات اذان میں اتفاق ہے کہ ترجیع نہیں کریں گے تو مختلف فیہ مقام کو متفق علیہ مقام پر قیاس کریں گے یعنی مختلف فیہ مقام کو بھی متفق علیہ مقام جیسا کر دیں گے یعنی ترجیع نہیں کریں گے۔ اور یہی قول ائمہ احناف کا ہے۔

﴿باب الاقامة کیف ھی؟﴾

اقامت کا طریقہ کیا ہے؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام مالک کا مذہب:

امام مالک کے نزدیک اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے۔ اور اہل مدینہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک دلیل:

حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جائیں سوائے ایک حرف کے کہ اسے دو بار کہا جائے گا۔

دلیل:

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں سوائے اقامت کے۔ دوسرے اقامت سے مراد "قد قامت الصلاۃ" ہے۔

قیاس سے استدلال:

امام شافعی وامام احمد رحمۃاللہ علیہما قیاس سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جس طرح اذان کے وہ کلمات جو دو جگہ میں آتے ہیں۔ دوسری بار پہلی سے نصف ہو کر آتے ہیں۔ چونکہ اقامت اذان کے بعد ہوتی ہے۔ لٰہذا یہ اسی کا حصہ ہے۔ اسی بنا پر اس کے کلمات، اذان کے کلمات سے نصف ہو کر آنے چاہیے۔ البتہ "قد قامت الصلاۃ" کے الفاظ چونکہ اذان میں نہیں ہے لہذا یہ دو بار کہے جائیں گے۔

امام اعظم کا مذہب:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اقامت کے کلمات سترہ ہیں اور اذان واقامت کے کلمات میں کوئی فرق نہیں البتہ "قد قامت الصلاۃ" اگر چہ اذان میں نہیں ہے لیکن اقامت میں ہوگا۔

امام اعظم کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ والی وہی روایت ہے جس میں ایک شخص کے آسمان سے اترنے کا ذکر ہے اس روایت میں یہ ہے کہ اس آسمان سے اترنے والے شخص نے اذان دی جس طرح پہلے باب میں گزر چکا ہے پھر وہ بیٹھ گیا اس کے بعد کھڑے ہو کر اذان کی طرح اقامت کہی تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ بتایا تو فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سیکھا دو۔

نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اذان اور اقامت کے کلمات دو دو بار کہتے تھے۔ اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے البتہ اس میں البتہ "قد قامت الصلاۃ" کے الفاظ نہیں ہیں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اس پر عمل کرنا اس کی تائید کرتا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے قیاس کا جواب:

ان حضرات کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ اقامت، اذان کا حصہ نہیں ہے کیونکہ یہ اذان کے بعد کہی جاتی ہے لہذا اس کا مستقل حکم ہوگا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اذان واقامت دونوں "لا الہ الا اللہ" پر ختم ہوتے ہیں اور اس میں کوئی فرق نہیں تو ہم نے اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اقامت کے بقیہ کلمات بھی اذان کی طرح ہونے چاہیے۔ اور ہم نے دیکھا کہ جس پر اقامت ختم ہوتی ہے یعنی "لا الہ الا اللہ" اس کا نصف نہیں ہو سکتا جب کہ آپ کے قیاس کے مطابق نصف ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے نزدیک اقامت اذان کا حصہ ہے لہذا اذان واقامت کا اختتام ایک جیسا ہوا پھر ہم نے اس میں مزید غور و فکر کیا تو ہم نے دیکھا کہ یہ حضرات اس بات میں اختلاف نہیں کرتے کہ مؤذن اذان کی

طرح اقامت میں بھی **حی علی الصلوۃ** اور **حی علی الفلاح** بعد دو مرتبہ اللہ، اکبر اللہ اکبر کہے گا اس کا نصف نہیں کرے گا حالانکہ اس کا نصف ممکن ہے تو جب اقامت کے یہ الفاظ اذان کے الفاظ جیسے ہیں تو اقامت کے دیگر الفاظ بھی اذان کے الفاظ جیسے ہوں گے یعنی دو دو بار کہے جائیں گے اور یہی قول ائمہ احناف کا ہے۔

﴿باب قول المؤذن في اذان الصبح "الصلاۃ خير من النوم"﴾

مؤذن کا فجر کی اذان میں **"الصلوۃ خیر من النوم"** کہنے کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب:

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فجر کی اذان میں **"حی علی الفلاح"** کے بعد **"الصلوۃ خیرمن النوم"** کہنا مستحب ہے۔

ائمہ اربعہ کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس کا حکم حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بعد میں دیا تھا۔ جیسے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فجر کی اذان میں **"الصلوۃ خیرمن النوم"** کے کلمات سکھائے۔

عطاء بن رباح وغیرہ کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک صبح کی اذان میں **"الصلوۃ خیرمن النوم"** کہنا مکروہ ہے۔

دلیل:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اذان حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھائی گئی اس میں یہ الفاظ نہیں۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

﴿باب التأذين للفجر اي وقت هو بعد طلوع الفجر او قبل ذلك﴾

فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دی جائیگی یا بعد میں اس بارے ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی اذان وقت داخل ہونے سے پہلے دی جائے تو ہو جائے گی۔ نیز امام ابو یوسف کا بھی یہی موقف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"**إن بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن مکتوم**"یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں تو کھاؤ پیو یہاں تک کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیں۔ حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ چونکہ نابینا تھے اس لیے جب تک ان سے نہ کہا جاتا کہ صبح ہو گئی ہے وہ اذان نہ دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ دونوں کی اذان میں اتنا وقفہ ہوتا کہ ایک اوپر چڑھتا اور دوسرا اترتا۔

امام اعظم کا موقف:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دیگر نمازوں کی اذانوں کی طرح فجر کی اذان بھی وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے گی۔

امام اعظم کی دلیل:

امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو اذان وقت سے پہلے ہوئی تھی وہ نماز کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے ہوئی تھی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"لایمنعن أحدکم أذانُ بلال من سحورہ فانہ ینادی او یؤذن لیرجع غائبکم ولینبہ نائمکم"یعنی تم میں سے کسی کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ اس لیے اذان دیتے ہیں کہ غائب لوٹ آئے اور سویا ہوا شخص بیدار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وقت سے پہلے اذان دی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کو لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ فجر کی اذان طلوعِ فجر کے وقت ہی ہوتی تھی۔

ایک احتمال:

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بنائی میں کچھ کمزوری تھی اس وجہ سے وہ صحیح وقت کی پہچان نہ کر سکتے ہوں اور وقت سے پہلے اذان دے دیتے ہوں جبکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بتانے پر اذان دیتے تھے اسی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اس وقت اذان دیتے ہو جب فجر کی روشنی اوپر کو جاتی ہے یہ فجر نہیں ہے صبح اس طرح دائیں بائیں پھیلتی ہے۔

قیاس سے احناف کی دلیل:

تمام نمازوں کے لیے جب بالاتفاق اوقات کے داخل ہونے کے بعد اذان دی جاتی ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فجر کی اذان بھی وقت کے داخل ہونے کے بعد دی جائے۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہو گیا کہ فجر کی اذان وقت کے داخل ہونے کے بعد ہی دی جائیگی اگر وقت سے پہلے دی گئی تو دوبارہ دینی ہو گی۔

﴿باب الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الاخر﴾

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک جو اذان دیے وہی اقامت کہے گا کوئی دوسرا شخص اقامت نہیں کہہ سکتا۔

دلیل:

حضرت زید بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اذان کے متعلق بتایا تو یہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اذان دی پھر یہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے بعد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے کے لیے آئے تو فرمایا تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے اور جس نے اذان دی وہی اقامت کہے گا۔

امام اعظم اور امام مالک کا مذہب:

امام اعظم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جس نے اذان دی اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے۔

دلیل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت۔ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہے لہذا انہیں کلمات اذان سکھاؤتا کہ وہ اذان کہیں۔ پھر حضرت عبداللہ سے فرمایا تم اقامت کہو۔

قیاس کے ذریعے دونوں روایتوں میں تطبیق:

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں میں تضاد پیدا ہو گیا، تو قول صحیح معلوم کرنے کے لیے ہم نے قیاس کیا تو ہم نے ایک متفق علیہ اصول یہ پایا کہ دو شخصوں کا ایک اذان دینا کہ اذان کا کچھ حصہ ایک شخص کہے اور کچھ حصہ دوسرا شخص کہے، تو اب یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یا تو اذان و اقامت کو ایک ہی مانا جائے تو ان کو ایک ہی شخص انجام دے گا اور دوسرا یہ کہ اگر اذان و اقامت دو متفرق یعنی الگ الگ چیزیں مانا جائے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ ایک شخص اذان کہہ لے اور ایک شخص اقامت کہہ لے۔

پھر ہم نماز کو دیکھتے ہیں کہ نماز کے کچھ اسباب ہیں جو نماز سے مقدم ہوتے ہیں جیسے اذان و اقامت وغیرہ۔ اور انہی اسباب میں سے ایک سبب خطبہ بھی ہے نماز جمعہ میں، اور یہ ضروری بھی ہے تو نماز جمعہ اور خطبے کے لیے الگ الگ شخص کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جو فرض نماز پڑھاتا ہے وہی خطبہ کہہ سکتا ہے تو اسی پر ہم قیاس کرتے ہیں کہ اقامت بھی نماز کا ایک سبب ہے تو اس کے لیے بھی الگ الگ شخص کا ہونا ضروری نہیں اور امام کے علاوہ بھی کوئی دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور اقامت اذان کے مقابلے میں نماز سے زیادہ قریب ہے تو اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ مؤذن کے علاوہ کوئی اور اقامت کہہ لے تو یہی قیاس ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ اذان و اقامت الگ الگ شخص کہہ سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جس نے اذان دی وہی اقامت کہے گا۔

﴿باب ما یستحب للرجل ان یقوله اذا سمع الاذان﴾

اس باب میں دو جگہ اختلاف ہے۔

01)س بارے میں کہ اذان کے جواب میں کیا کہا جائے گا؟

02)اذان کے جواب میں وہی کلمات واجب ہیں یا مستحب۔

اذان کے جواب میں کیا کہا جائے گا؟

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو الفاظ موذن کہتا ہے وہی الفاظ جواب دینے والا بھی کہے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"**إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا على فإنه من صلى على صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله تعالى لی الوسيلة فإنها منزل فى الجنة لا ينبغي لأحد إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو فمن سأل الله لی الوسيلة حلت له الشفاعة**"جب موذن کو سنو تو اس کی مثل کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے تو اللہ عزوجل اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر اللہ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو وسیلہ جنت کے ایک مقام کا نام ہے وہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لئے ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں تو جس نے میرے لیے وسیلے کا سوال کیا تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک "**حی علی الصلاۃ**"اور "**حی علی الفلاح**" کے جواب میں "**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**"کہا جائے گا اور باقی وہی الفاظ کہے جائیں گے جو مؤذن کہتا ہے۔

احناف کی دلیل:

یہ ہے کہ مؤذن "**حی علی الصلوۃ**"اور "**حی علی الفلاح**" کے ذریعے لوگوں کو نماز اور کامیابی کی طرف بلاتا ہے. جبکہ سننے والا یہ کلمات بطور ذکر کے کہتا ہے۔اور یہ کلمات ذکر نہیں بلکہ دعوت ہے۔لہذا ان کلمات کی جگہ الفاظ کہے۔اور حضرت عمر بن خطاب اور ابو رافع اور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے اور پہلی حدیث میں جو فرمایا گیا کہ "**اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول**" اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات ذکر کے ہیں وہ کہو کیونکہ مقصود و مطلوب اللہ عزوجل کا ذکر کرنا ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جب موذن "**حی علی الصلاۃ**" کہے تو تم میں سے ہر شخص "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہے۔(یہی "**حی علی الفلاح**" کے جواب میں کہنے کا فرمایا۔)

اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب

احناف کا مذہب:

یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

احناف کی دلیل:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا فرمان "**اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول**" وجوب کے لیے ہے۔یہ حضرات کہتے ہیں کہ امر یہاں وجوب کے لیے ہے؛ کیونکہ آپ دیکھتے ہیں کہ اذان کے وقت بات چیت، کام کاج، سلام اور اس کا جواب، غرض ہر کام ترک کرنا واجب ہے۔اور یہ وجوب کی نشانی ہے۔(نخب الافکار، کتاب الصلاۃ، ج:03، ص:129)

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

یہ ہے کہ اذان کا جواب مستحب ہے، واجب نہیں۔اور یہاں امر استحباب کے لیے ہے۔

ائمہ ثلاثہ دلیل:

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہم نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے موذن کو کہتے ہوئے سنا "**اللہ اکبر اللہ اکبر**" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**علی الفطرۃ**" پھر اس نے کہا "**اشھد ان لا الہ الا اللہ**" تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "**خرج من النار**"۔

امام جعفر طحاوی رحمۃاللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنا تو مؤذن نے جو الفاظ کہے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے علاوہ. الفاظ کہے۔ اس حدیث سے دلالۃً معلوم ہوا کہ حدیث "فقولوا مثل مایقول" میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ صرف استحباب کے لیے ہے اور اسی میں فضیلت ہے۔

﴿باب مواقیت الصلاۃ﴾

فجر کے وقت کا بیان

بالاتفاق نماز فجر کے وقت کی ابتدا صبح صادق سے ہوتی ہے۔ البتہ ائمہ کرام کا اختلاف فجر کے آخری وقت کے بارے میں ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کا مذہب:

امام شافعی اور امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک فجر کی نماز کا آخری وقت اسفار شمس تک ہے۔ یعنی ظلوع شمس سے پہلے کی روشنی جب تک ظاہر نہ ہو جائے تو یہ فجر کا آخری وقت ہے۔

دلیل:

حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے دن فجر اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا اور دوسرے دن فجر کی نماز روشنی میں پڑھانے کے بعد فرمایا کہ "ان دو وقتوں کے درمیان نمازوں کا وقت ہے" یہ آپ سے پہلے انبیاء کرام. والسلام کا وقت ہے۔

احناف و امام احمد بن حنبل کا مذہب:

احناف اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نماز فجر کا آخری وقت طلوع شمس ہے۔

احناف و امام احمد بن حنبل کی دلیل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج طلوع ہونے کے قریب تھا۔ پھر فرمایا" الصلاۃ فیما بین ھذین الوقتین"۔

ظہر و عصر کے وقت کا بیان

ظہر کے اول وقت میں تو کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظہر کے آخری اور عصر کے ابتدائی وقت میں اختلاف ہے۔

صاحبین اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے اور اس کے فوراً بعد عصر کا وقت داخل ہو جائے گا۔

صاحبین اور امام احمد بن حنبل کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ پہلے دن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سایہ ایک مثل ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوا اور عصر کا وقت شروع ہوا۔ اگر ظہر کا وقت ختم نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام عصر کی نماز ایک مثل پر نہ پڑھتے۔

امام اعظم کا مذہب:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔

امام اعظم کی دلیل:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دوسرے دن عصر اس وقت پڑھائی جب سایہ دو مثل ہو گیا۔ اور ظہر ایک مثل پر پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو مثل پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔

عصر کے آخری وقت کا بیان

امام شافعی کا مذہب:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عصر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے۔ یعنی عصر کا آخری وقت دو مثل تک ہے۔ اس کے بعد عصر قضا ہو جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل:

حضرت ابن عطاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دوسرے دن اس وقت نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے نزدیک اور عصر کا آخری وقت یہ ہے کہ سورت زرد ہو جائے۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا "**إن للصلاة أولا و آخرا، وإن أول وقت العصر حين يدخل وقتها، وإن آخر وقتها حين تصفر الشمس** "یعنی ہر نماز کا اول اور آخری وقت ہے۔ عصر کا اول وقت اس وقت ہے کہ جب اس کا وقت داخل ہو جائے اور آخری وقت یہ ہے کہ سورج زرد ہو جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا آخری وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے۔

احناف کا مذہب:

احناف کے نزدیک عصر کا آخری وقت غروب شمس تک ہے۔

احناف کی دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "**من أدرك ركعة من صلاة الصبح قبل طلوع الشمس، فقد أدرك الصلاة، ومن أدرك ركعتين من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك** "جس نے طلوع شمس سے پہلے ایک رکعت پالی تو اس نے صبح پالی اور جس نے غروب شمس سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی یعنی پوری عصر پالی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا آخری وقت غروب شمس تک ہے۔

مغرب کے وقت کا بیان

طاؤس بن کیسان اور عطاء بن رباح کا مذہب:

ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ مغرب کا اول وقت یہ ہے کہ جب شاہد طلوع ہو جائے۔اور ان کے نزدیک شاہد سے مراد "نجم "یعنی ستارے ہیں۔

ان حضرات کی دلیل:

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مقامِ مخمص میں نماز عصر پڑھا کر فرمایا: "إن هذه الصلاة عرضت على من كان قبلكم فضيعوها، فمن حافظ عليها منكم أوتي أجرة مرتين، ولا صلاة بعدها حتى يطلع الشاهد "بے شک یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی توانہوں نے اسے ضائع کر دیا تو تم میں سے جو اس کی حفاظت کرے گا تو اسے دگنا اجر دیا جائے گا اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک شاہد یعنی ستارے طلوع نہ ہو جائیں۔

مذکورہ تاویل کا جواب:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان "ولا صلاة بعدها حتى يرى الشاهد "(یعنی عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ شاہد دیکھ لیا جائے)۔دو حال سے خالی نہیں ہو گا یا تو یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان سے ہو گا یا نہیں۔

اگر یہ حضور علیہ صلاۃ وسلام کے فرمان سے ہے جیسا کہ حضرت لیث بن سعد کی روایت میں ہے تو پھر شاہد سے مراد رات ہو گی کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ رات ہو جائے اور رات غروب شمس سے ہوتی ہے۔

اور اگر یہ حضور علیہ صلاۃ وسلام کے فرمان سے نہیں ہے جیسا کہ حضرت لیث بن سعد کے علاوہ نے روایت کیا اور شاہد کی تاویل نجم سے کی تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حضور علیہ صلاۃ وسلام کا فرمان نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ احادیث میں بکثرت یہ بات آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا۔

مغرب کا آخری وقت:

فائدہ:

مغرب کا آخری وقت یہ ہے کہ شفق غائب ہو جائے۔البتہ شفق کیا ہے اس میں اختلاف ہے اس لیے گویا کہ مغرب کے آخری وقت میں اختلاف ہے۔

صاحبین کا مذہب:

صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد "حمرہ" یعنی سرخی ہے لہذا جب سرخی ختم ہو جائے گی تو مغرب کا وقت بھی ختم ہو جائے گا۔ نیز امام طحاوی امام احمد بن حنبل اور امام مالک کا بھی ایک قول کے مطابق یہی مذہب ہے۔

امام اعظم کا مذہب:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شفق سے مراد "بیاض" یعنی سفیدی ہے جو سرخی کے بعد آتی ہے۔

قیاس امام اعظم کی دلیل:

قیاس یہ ہے کہ فجر سے پہلے سرخی ہوتی ہے پھر اس کے بعد سفید روشنی آتی ہے تو وہ سرخی اور سفیدی دونوں ایک نماز کا وقت ہے اور وہ فجر کی نماز ہے تو جب یہ دونوں ختم ہو جائیں تو فجر کا وقت بھی ختم ہو جائے گا۔ تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ مغرب میں بھی سرخی اور سفیدی مغرب کی نماز کا وقت ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو فجر کی سرخی اور سفیدی کا ہے کہ جب یہ دونوں ختم ہو جائیں گی تو مغرب کا وقت بھی ختم ہو جائے گا۔

عشاء کے وقت کا بیان

عشاء کا اول وقت:

فائدہ:

عشاء کا وقت شفق غائب ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور شفق میں اختلاف ہے تو اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو مغرب کے آخری وقت میں اختلاف ہے۔البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شفق غائب ہونے سے پہلے عشاء کی نماز پڑھی تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک شفق سے مراد "بیاض "یعنی سفیدی ہو اور دوسروں کے نزدیک "حمرہ "یعنی سرخی ہو تا کہ حدیث میں تضاد پیدا نہ ہو۔

عشاء کا آخری وقت:

عشاء کے آخری وقت کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں کسی روایت میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کیا اور کسی روایت میں ہے کہ عشاء کا آخری وقت نصف رات تک ہے اور کسی روایت میں یہ بھی ہے کہ نصف رات گزرنے کے بعد بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز عشاء ادا فرمائی۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ عشاء کا آخری وقت کے تین حصے ہیں۔اور تینوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ پہلی تہائی تک افضل وقت ہے اور نصف رات تک موخر کرنے سے فضیلت کم ہو جاتی ہے لیکن وقت باقی رہتا ہے،اور طلوع فجر سے پہلے والا وقت پہلے دو وقتوں سے فضیلت کے اعتبار سے کم ہے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ عشاء کا آخری وقت طلوع فجر تک ہے البتہ فضیلت میں مختلف ہیں۔

﴿باب الجمع بين الصلاتين كيف هو﴾

جمع کی اقسام:

جمع کی دو قسمیں ہیں۔

1) جمع صوری اسے "فعلی" بھی کہتے ہیں۔

02) جمع حقیقی اسے "وقتی" بھی کہتے ہیں۔

جمع صوری:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھنا اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ ضرورتاً جائز ہے۔

جمع حقیقی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز بھی پڑھ لینا۔ جیسے ظہر کے وقت میں عصر بھی پڑھ لینا اور یہ صرف دو مقامات پر بالاتفاق جائز ہے۔ ایک مزدلفہ اور دوسرا عرفات۔ ان کے علاوہ جائز نہیں، عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے، اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے عشاء کے وقت میں پڑھا جاتا ہے۔

نوٹ: احادیث میں جہاں جمعہ بین الصلوتین کا ذکر ہے ہم احناف اسے جمع صوری پر محمول کرتے ہیں۔

دو نمازوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء کا ایک ہی وقت ہے۔ اس وجہ سے ان حضرات کے نزدیک ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

حضرت عبدللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سفر میں دو نمازیں اکٹھی ادا فرماتے تھے،اور حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ،اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ان میں یہی بات مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ظہر و عصر اور مغرب وعشاء جمع فرماتے تھے۔

احناف کا مذہب:

احناف کے نزدیک ہر نماز کاالگ الگ وقت ہے اور ہر نماز کی ادائیگی اسی کے وقت میں ضروری ہے سوائے دو مقامات (عرفہ ومزدلفہ کے)۔

احناف کی دلیل:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دو نمازوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہوتی کہ ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اول وقت میں ادا فرماتے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سفر میں ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم فرماتے، اور مغرب میں تاخیر کرتے اور عشاء کی نماز مقدم کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تطبیق:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہو جاتا تب مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔اور دوسری روایت میں ہے کہ جب شفق غائب ہونے لگاتو آپ رضی اللہ عنہ نے اتر کر مغرب وعشاء کو جمع کیااور فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا۔

تو اس میں تطبیق اس طرح دی گئی کہ شفق کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شفق غائب ہونے کے قریب تھا۔یعنی جب شفق غائب ہونے کے قریب ہوتاتو آپ اتر کر مغرب کی نماز ادا فرماتے اور جب شفق غائب ہو جاتاتو عشاء کی نماز ادا فرماتے۔

فائدہ:

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃاللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ کسی نماز کو اس کے بعد والی نماز کے وقت تک مؤخر کرنا "تفریط" ہے،اور ایسا کرنے والا مفرّط،اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم جیسی ذات کریمہ کے لیے یہ بات محال ہے کہ آپ دونوں نمازوں کو ایسے وقت تک مؤخر کریں جس کی وجہ سے مفرّط ہونا لازم آئے۔ہاں البتہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دو نمازوں کو اس طرح جمع فرماتے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھتے۔

﴿باب الصلوة الوسطى اي الصلوات﴾

صلاۃ وسطی کونسی نماز ہے؟اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن شداد اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک "صلاۃ وسطی" ظہر کی نماز ہے۔نیز ایک روایت کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

دلیل:

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھا کرتے تھے اور چونکہ نماز ظہر تمام نمازوں میں صحابہ کرام علیہم رضوان پر بھاری تھی تو یہ آیت مبارکہ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى-وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ نازل ہوئی۔

نیز اس آیت میں ظہر کو صلاۃ وسطی اس لیے فرمایا گیا کہ ظہر سے پہلے اور بعد میں دو نمازیں ہوتی ہیں۔اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے صراحتاً ایک روایت میں یہ الفاظ "ھی صلاۃ الظھر" مروی ہے یعنی صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب:

جمہور علمائے کرام نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "لینتھین اقوام او لاحرقن علیھم بیوتھم" اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھا کرتے تھے تو آپ کے پیچھے ایک یا دو ہوا کرتی تو اللہ تبارک وتعالی نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی، تو بعض حضرات نے اس سے استدلال کیا کہ صلاۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے تو یہ حضرت سیدنا زید رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی نہیں ہے۔اور ہمارے نزدیک بھی اسمیں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ صلاۃ وسطی ظہر کی نماز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ کا تمام نمازوں کی اور بالخصوص صلاۃ وسطی کی حفاظت کرنے کے لئے نازل کی گئی ہو تو لہذا اس آیت مبارکہ سے تمام نمازوں کی محافظت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔البتہ صلاۃ وسطی ظہر کی نماز نہی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کا مذہب:

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے۔

دلیل:

حضرت ابو رجاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "صلیت خلف ابن عباس رضی اللہ عنہما الغداۃ فقنت قبل الرکوع وقال ھذہ الصلاۃ الوسطی "۔یعنی میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے صبح یعنی فجر کی نماز پڑھی تو آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور فرمایا یہ صلاۃ وسطیٰ ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کی دلیل کا جواب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آیت مبارکہ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ کی وجہ سے صلاۃ وسطی فجر کی نماز کو قرار دیا کیوں کے آپ کے نزدیک "قانتین" سے مراد فجر کی قنوت ہے۔

نیز یہ آیت مبارکہ کس بارے میں نازل ہوئی اس حوالے سے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی مخالفت کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ہم نماز میں گفتگو کیا کرتے تھے تو آیت مبارک ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو ہمیں سکوت یعنی خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حدیث سے آپ کا استدلال کرنا درست نہیں کیوں کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا صلاۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔

ائمہ احناف کا مذہب:

احناف کے نزدیک صلاۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔

دلیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہم نے گروہوں سے جنگ کی تو انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول کر دیا یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الہی میں عرض کی "اللھم املأ قلوب الذین شغلونا عن الصلاۃ الوسطی نارا و املأ بیوتھم نارا و املأ قبورھم نارا "یعنی اے اللہ تو ان لوگوں کے دلوں کو آگ سے بھر دے جنھوں نے ہمیں صلاۃ وسطی سے مشغول کیا اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سمجھتے تھے کہ صلاۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے۔

تواس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے پہلے صلوۃ وسطی فجر کی نماز کو سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا تو جان گئے کے صلاہ وسطی عصر کی نماز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا "الصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر" یعنی صلاۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔

نسخہ حفصہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عمر بن رافع رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کے دور میں مصاحف لکھا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے مصحف لکھوایا اور فرمایا کہ جب تم سورہ بقرہ کی اس آیت پر پہنچو تو خود اسے نہیں لکھنا میرے پاس آنا تو میں تمہیں یہ آیت ویسے ہی لکھواؤں گی جیسی میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے یاد کی۔ تو حضرت عمر بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں اس آیت پر پہنچا تو جس صفحے پر میں مصاحف لکھتا تھا وہ لے کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا لکھو۔ "حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلَاةِ الْعَصْرِ"۔

استدلال:

"صلاۃ العصر" کا عطف "صلاۃ الوسطی" پر کیا گیا اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ صلاۃ وسطی اور نماز عصر الگ الگ نمازیں ہیں نماز عصر صلوۃ وسطی نہی ہے۔

لہذا اس سے ان لوگوں کے مذہب کی تائید ہوتی ہے جن کے نزدیک صلاۃ وسطی عصر کی نماز نہی۔

اور نسخہ حفصہ رضی اللہ عنہا میں موجود آیت میں واؤ کونسا ہے اس بارے میں چند اقوال ہے۔

01) بعض نے کہا زائدہ ہے۔

02) بعض نے کہا عاطفہ ہے۔

03) بعض نے کہا یہ عطف تفسیر ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمہ کا تبصرہ:

ہمارے نزدیک نسخ حفصہ میں نسخ حفصہ کی اس آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ نماز عصر اور صلاۃ وسطی الگ الگ نمازیں ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عصر کے دو نام ہوں: ایک صلاۃ وسطی، اور دوسرا نماز عصر اور دونوں ہی یہاں ذکر کر دیے ہوں۔

اس تیسرے قول کے اعتبار سے احناف کا مذہب ثابت ہو جائے گا کہ آیت میں صلاۃ وسطی سے مراد نماز عصر ہے اور وہ تاویل بھی ثابت ہو جائے گی جو ہم نے ابھی ذکر کی کہ ہو سکتا ہے کہ عصر کے دو نام ہوں اور دونوں ہی یہاں ذکر کر دیے ہوں۔

اور نسخہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی آیت کی تلاوت مشہور آیت سے منسوخ ہو گئی لیکن اس کا حکم باقی ہے۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی ناسخ ہے۔

چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ" نازل ہوئی تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے مبارکہ میں اس کی قراءت کی پھر اللہ تبارک وتعالی نے یہ آیت ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ نازل فرما کر اس آیت کو منسوخ فرمادیا۔

﴿باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر أي وقت هو﴾

نماز فجر کو کونسے وقت میں پڑھنا افضل ہے اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کو اندھیرے میں روشنی میں پڑھنے سے افضل ہے۔

دلیل:

بشیر بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فجر کی نماز غلظ میں ادا فرمائی، پھر ایک مرتبہ اسفار میں پڑھی پھر وفات پانے تک دوبارہ کبھی اسفار میں نہ پڑھی۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک فجر کو روشنی میں پڑھنا اندھیرے میں پڑھنے سے افضل ہے۔

دلیل:

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ملازمت اختیار کروں پھر جب مزدلفہ کی رات آئی اور صبح صادق ہوئی تو فرمایا کھڑے ہو تو میں نے عرض کی کہ اے ابو عبد الرحمن میں نے آپ کو کبھی اس وقت فجر کی نماز

پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، تو فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اس دن اس جگہ اسی وقت فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو نمازوں کو ان کے وقت سے پھیر دیا گیا ہے، 01) مغرب کو لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد، اور 02) فجر کو طلوع فجر کے وقت، (اور مزید فرمایا کہ) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔

اور حدیث شریف میں فجر کو روشن کرکے پڑھنے کی فضیلت بھی آئی ہے۔

چنانچہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت ہے حضور علیہ صلاۃ وسلام نے فرمایا "**أسفروا بالفجر فكلما أسفرتم فهو أعظم للأجر**" یعنی فجر کو روشن کرکے پڑھو، جب بھی تم روشن کروگے تو اس کا اجر زیادہ ہوگا۔

امام ابو جعفر طحاوی کا تبصرہ:

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اسفار کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جن احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز فجر کو غلس واسفار میں پڑھنے کے بات آئی تو ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے امت کی آسانی کے لیے کبھی فجر غلس میں پڑھی ہو اور کبھی اسفار میں۔ لھذا ثابت ہو گیا کہ فجر کو روشن کرکے پڑھنا افضل ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں، پھر جب جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات فجر میں طویل قراءت کا حکم دیے جانے سے پہلے کی ہو، اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے نماز کی دو دو رکعتیں فرض کی گئیں پھر جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو مغرب کے علاوہ اور فجر کے علاوہ ہر نماز کے ساتھ دو دو رکعتیں ملا دی گئیں، مغرب میں اس وجہ سے دو رکعت نہیں ملائیں کہ اسمیں تین رکعتیں ہیں اور فجر میں اس وجہ سے کہ اس میں طویل قراءت ہوتی ہے۔

﴿باب الوقت الذي يستحب ان تصلي صلاة الظهر فيه﴾

نماز ظہر کا مستحب وقت کونسا ہے؟اس بارے میں آئمہ اکرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک پورے سال خواہ گرمی ہو یا سردی بہر حال نماز ظہر جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى الظهر بالهجير**"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کو گرمی میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:" **ما رايت احدا اشد تعجيلا لصلاة الظهر من رسول الله صلى الله عليه وسلم**"یعنی میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے زیادہ کسی کو نماز ظہر میں جلدی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

احناف، حنابلہ، مالکیہ کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک سردیوں میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک گھر میں تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:اے بلال ٹھرو! پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ فرمایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:اے بلال ٹھرو! پھر دوبارہ آپ رضی اللہ عنہ نے اذان دینے کا ارادہ فرمایا تو دوبارہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:اے بلال ٹھرو! یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"**ان شدة الحر من فيح جهنم فابردوا بالصلاة اذا اشتد الحر**" یعنی بے شک گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے لہذا جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا" **ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم**" یعنی ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی کا تبصر:

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں گرمی کی شدت کے وقت ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ احادیث ان احادیث کے خلاف ہیں جن میں ظہر کو جلدی پڑھنے کا حکم ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھائی پھر فرمایا "**ان شدۃ الحر من فیح جھنم فابردوا بالصلاۃ**" یعنی گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے لہذا نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے نماز ظہر کو گرمی میں پڑھنے کے بعد ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم فرمایا، لہذا اس حدیث سے وہ احادیث منسوخ ہو گئیں جن میں گرمی کی شدت کے باوجود نماز ظہر کو جلدی پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعجلھا فی الشتاء ویؤخرھا فی الصیف**" یعنی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سردیوں میں میں نماز ظہر میں جلدی فرماتے اور گرمیوں میں نماز ظہر کو موخر کر کیا کرتے تھے۔

اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا "**إنك في أرض حارة شديدة الحر فأبرد ثم أبرد بالأذان للصلاة**" یعنی تم گرم ترین زمین میں ہو لہذا نماز کے لئے اذان کو خوب ٹھنڈا کرو۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ بندہ خواہ سفر میں ہو یا حضر میں بہر صورت گرمیوں میں نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھی جائے گی اور سردیوں میں جلدی پڑھی جائے گی۔

﴿باب صلاة العصر هل تعجل أو تؤخر﴾

نماز عصر کو جلدی پڑھا جائیگا یا تاخیر سے اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک عصر میں تعجیل مستحب ہے۔

دلیل:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے زیادہ کوئی نماز عصر میں جلدی کرنے والا نہیں تھا بے شک انصار میں دو شخصوں (ابو لبابہ بن عبد المنذر راور ابو عبس بن جبر) کا گھر مسجد نبوی سے سب سے زیادہ دور تھا، ابو لبابہ کا گھر قباء میں اور ابو عبس کا گھر بنو حارث میں تھا، یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی. علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر اپنی قوم کے پاس جاتے اس حال میں کہ انہوں نے عصر کی نماز نہ پڑھی ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز عصر میں جلدی کرنے کی وجہ سے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر پڑھتے تھے اس حال میں کہ دھوپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوتی (چھت پر) بلند ہونے سے پہلے۔

ائمہ احناف کا مذہب:

احناف کے نزدیک عصر میں اتنی تاخیر کرنا مستحب ہے کہ سورج متغیر نہ ہو ورنہ بلاوجہ اتنی تاخیر کرنا کہ سورج متغیر ہو جائے مکروہ تحریمی ہے۔

احناف کی دلیل:

حضرت انس رضي اللہ تعالي عنہ سے روایت ہے "**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى صلاة العصر و الشمس بيضاء محلقة**" یعنی نبی کریم صلي اللہ تعالي عليہ وآلہ وسلم نماز عصر پڑھا کرتے تھے اس حال میں کہ سورج روشن ہوتا۔ تو حضرت انس رضي اللہ عنہ نے اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالي عليہ وآلہ وسلم کے فعل کے متعلق خبر دی تو یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نماز عصر کو مؤخر فرمایا کرتے تھے۔

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق جو بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نمازِ عصر ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ دھوپ میرے حجرے ہوتی، تو امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ چھوٹا ہو جس کی وجہ سے دھوپ حجرہ مبارکہ میں غروبِ شمس تک رہتی ہو اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نمازِ عصر کو مؤخر فرماتے ہوں۔ لہذا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے نزدیک تعجیلِ عصر پر دلیل نہیں بن سکتی۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ نماز عصر میں اتنی تاخیر کرنا مستحب ہے کہ سورج متغیر نہ ہو، اور اکثر روایتیں تاخیر عصر کے بارے میں آئی ہیں اور جن روایتوں میں تعجیل عصر کا ذکر ہے تو وہ تاخیر عصر والی روایت کے مخالف ہیں تو لہذا اکثر پر عمل کرنا ہمارے لیے اولی ہے۔

﴿باب رفع اليدين في افتتاح الصلوة اين يبلغ بهما﴾

نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں گے اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔

بعض مالکیہ وحنابلہ کا مذہب:

بعض مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک نماز شروع کرتے وقت ہاتھ بلند کیے جائیں گے لیکن اسکی کوئی مقدار مقرر نہیں۔

دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے بلند کرتے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پہلی تکبیر میں ہاتھوں کو کاندھوں تک بلند کیا جائے گا۔

دلیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کاندھوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

دونوں فریقوں کی مستدَل احادیث میں تطبیق:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ذکر کی گئی اس میں ہاتھوں کو کہاں تک کھینچا جائے گا اس کا بیان نہیں، تو ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کاندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت ہاتھ اٹھانا دعا کے لیے ہو اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کے بعد نماز شروع کرنے کے لیے ہاتھ اٹھانا ہو، تو جب دونوں حدیثوں کا مَحْمِلْ جدا جدا ہو گیا تو ان میں کوئی تضاد نہ رہا۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔

دلیل:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا کبر لافتتاح الصلاۃ رفع یدیہ حتی یکون إبھاماہ قریبا من شحمتی أذنیھا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے، میں اگلے سال دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا، تو میں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر لمبی لمبی چادریں دیکھیں، وہ ان چادروں میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے، اور حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا (یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان چادروں میں سینے تک ہاتھ اٹھایا کرتے تھے)۔

تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس حدیث میں بتایا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کندھوں تک تو اس لیے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ چادروں میں ہوتے، اور یہ بھی بتایا کہ جب ان کے ہاتھ کپڑوں میں نہ ہوتے تو کانوں کی لو تک اٹھاتے۔ تو لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جب ہاتھ چادروں کے اندر ہوں تو کاندھوں تک اٹھائے جائیں گے اور جب چادروں کے باہر ہوں تو کانوں کی لو تک اٹھائے جائیں گے۔

﴿باب ما يقال في الصلاة بعد تكبيرة الافتتاح﴾

نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے گا اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام اعظم اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھی جائے گی۔

دلیل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں " **كان رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم إذا افتتح الصلاة يرفع يديه حذو منكبيه، ثم يكبر، ثم يقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك** "

امام شافعی اور امام ابو یوسف کا مذہب:

امام شافعي اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد وہ دعا پڑھی جائے گی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

دلیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جب نماز شروع کرتے فرماتے " **وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض حنيفا مسلما، وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين** "یعنی میں نے ہر باطل سے جدا ہو کر اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا، سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں اور اِسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

﴿باب قراءة بسم الله الرحمن الرحیم فی الصلاۃ﴾

اس باب میں دو جگہ اختلاف ہے۔

01) نماز میں "بسم اللہ" جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟

02) "بسم اللہ" قرآن پاک کا جز ہے یا نہیں۔اس بارے میں ائمہ اکرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذہب:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بسم اللہ قرآن کا بھی جزء ہے اور سورہ فاتحہ کا بھی جزء ہے۔لہذا اسے سورہ فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھا جائے گا۔

دلیل:

حضرت نُعَیمُ بن مجمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" **صلیت وراء أبی هريرة، فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فلما بلغ** ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ **قال آمين، فقال الناس آمين، ثم يقول إذا سلم أما والذی نفسی بيده، إنی لأشبهكم بصلاة رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم** "یعنی میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے کی قرات کی پھر جب آپ ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ تک پہنچے تو آپ نے آمین کہا اور لوگوں نے بھی آمین کہا پھر سلام پھیر کر ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک تم سب سے زیادہ میری نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔

امام مالک کا مذہب:

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک "بسم اللہ" نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ قرآن کا جزء ہے، لہذا یہ نماز میں پڑھی ہی نہی جائے گی۔

دلیل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم دو رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ﴾ سے شروع کرتے اور سکوت نہ فرماتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "بسم اللہ" سور فاتحہ کا جز نہیں ہے، اگر سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اسے ضرور پڑھتے۔

امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام اعظم اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ کے نزدیک "بسم الله" سورہ فاتحہ کا جزء تو نہیں البتہ قرآن کا جز ہے۔ تو اس لیے اسے تمام نمازوں میں پڑھا جائے گا۔

دلیل:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "صليت خلف النبي ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان، فلم أسمع أحدا منهم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم" یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی کو بلند آواز سے "بسم الله" پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

امام طحاوي کا تبصرہ:

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر "بسم الله" سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام دوسری رکعت میں اسے فاتحہ کی طرح پڑھتے لہذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نُعَیم بن مجمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے سند کے اعتبار سے اَولی ہے۔ اور متواتر روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، عثمان غنی رضی اللہ عنہ "بسم الله" بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ تو جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بلند آواز سے "بسم الله" پڑھنا ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں۔

قیاس سے استدلال:

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کے علاوہ دیگر سورتوں کے شروع میں بھی لکھا ہوا دیکھتے ہیں اور وہ "بسم الله" ان سورتوں کا جز نہیں تو قیاس بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں لکھی ہوئی "بسم الله" سورہ فاتحہ کا جز نہ ہو۔

نیز نماز میں "بسم الله" کو جہر کے ساتھ پڑھنے اور اس کے سورہ فاتحہ کا جزء ہونے کی جو نفی کی گئی ہے وہ ہمارے ائمہ احناف کا مذہب ہے۔

﴿باب القراءہ فی الظھر والعصر﴾

ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت ہے یا نہیں؟اس بارے میں ائمہ اکرام کا اختلاف ہے۔

امام مالک کا مذہب:

امام مالک کے نزدیک ظہر وعصر میں اصلاً قرات ہی نہیں ہے۔

دلیل:

حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بنو ہاشم کے نوجوانوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام ظہر وعصر میں قرات کیا کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، پھر مزید فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ دل میں قرات کیا کرتے ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**قد حفظت السنة غير أني لا أدري أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر أم لا**" یعنی مجھے ساری احادیث یاد ہیں مگر میں یہ نہیں جانتا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ظہر وعصر میں قرات کیا کرتے تھے یا نہیں۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک ظہر وعصر میں قرات واجب ہے۔

دلیل:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ظہر میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ قرات کیا کرتے تھے۔

قیاس سے استدلال:

جب قیام، رکوع، سجود اور قعدہ اخیرہ تمام نمازوں میں ہے، اور یہ سب نماز کے فرائض میں سے ہیں، اور قرات بھی نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے تو قیاس بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے بھی تمام نمازوں میں فرض ہونا چاہیے، اور جن حضرات کے نزدیک قرات فرض نہیں ان کے نزدیک بھی مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہراً اور آخری دو رکعتوں میں سراً قراءت ہوتی ہے، تو جب ان نمازوں

کی آخری دو رکعتوں میں جہر کے ساقط ہونے سے قرآت ساقط نہیں ہوتی، تو ظہر و عصر کی نماز میں جہر کا ساقط ہونا قرات کے ساقط ہونے کا سبب نہیں بن سکتا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ظہر و عصر میں بھی دیگر نمازوں کی طرح قرأت فرض ہے۔

﴿باب القراءة في صلاة المغرب﴾

نمازِ مغرب میں کونسی سورتوں میں سے قرات کی جائے گی؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

اہلِ ظواہر اور امام شافعی کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک نماز مغرب میں طوالِ مفصل سے پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل:

حضرت زبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں: "**سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرا في المغرب بالطور**" یعنی میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نمازِ مغرب میں سورہ طور کی قرات کرتے ہوئے سنا۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل سے پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرا في المغرب بقصار المفصل** " یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں قصار مفصل کی قرات کیا کرتے تھے۔

اہل ظواہر اور امام شافعی کی دلیل کا جواب:

امام شافعی اور اہلِ ظواہر کی متدل حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ "**حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سورہ طور کی قرات کی**" تو ہو سکتا ہے کہ سورہ طور کا بعض حصہ پڑھا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پوری سورہ طور پڑھی ہے ہو، تو جب دونوں احتمال ہیں تو ہم نے ایسی حدیث کی تلاش کی جس سے کوئی ایک احتمال واضح ہو جائے۔ تو جبھی ہمیں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ملی کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو آیت کریمہ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سورہ طور کا بعض حصہ پڑھا کرتے تھے۔اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ "**میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو سب سے طویل ﴿المص﴾ سورت پڑھتے ہوئے سنا**" تو اس میں بھی یہی تاویل ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض حصہ پڑھا ہو،اور مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتوں کی قراءت کرنا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عشاء میں طویل سورت پڑھنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ عشاء کا وقت تو وسیع ہوتا ہے،تو جب عشاء کا یہ معاملہ ہے تو مغرب جس کا وقت ہی تنگ ہوتا ہے،تو اس میں تو بدرجہ اولیٰ بڑی قرات کرنے سے ممانعت ہو گی۔

﴿باب القراءة خلف الامام﴾

امام کے پیچھے قرءات کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور اہل ظواہر کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک تمام نمازوں میں مقتدی پر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرات کرنا واجب ہے۔

دلیل:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "**صلی بنا رسول اللہ ﷺ صلاۃ الفجر، فتعاینت علیه القراءة، فلما سلم قال أتقرؤون خلفی؟ قلنا نعم یا رسول الله، قال فلا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب، فإنه لا صلاة لمن لم یقرأ بها**"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر قرات بھاری ہو گئی پھر جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا: کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے عرض کی جی ہاں ! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو سوائے سورہ فاتحہ کے کیونکہ اس کی کوئی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ کی قرات نہ کی۔

حضرت ہشام بن زہرہ کے غلام ابو سائب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "**من صلى صلاة لم یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج، وهی خداج فهی خداج غیر تمام فقلت یا أبا هریرة، إنی أكون أحیانا وراء الإمام، قال اقرأها یا فارسی فی نفسك**"یعنی جس نے کوئی نماز پڑھی کہ اس میں اس نے سورہ فاتحہ کی قراءت نہ کی تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے ،ناقص ہے"۔میں نے عرض کی اے ابو ہریرہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اے عجمی اسے اپنے دل میں پڑھ لو۔

ائمہ احناف کا مذہب:

احناف کے نزدیک امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کی اور اسکے علاوہ کسی بھی سورت قراءت کرنا جائز نہیں۔

احناف کی دلیل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: " **إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا قرأ فأنصتوا** "یعنی امام تو اسلئے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتدا کی جائے لہذا جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة**" جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرأت ہے۔

قیاس سے استدلال:

قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر قیاس سے اس طرح استدلال کیا گیا کہ جیسے کسی شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا تو وہ رکعت فوت ہونے کے خوف سے تکبیر کہے کر رکوع میں چلا گیا اور اس نے نہ تو قیام کیا اور نہ قراءت کی، تو اب اس میں احتمال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ضرورت کی وجہ سے اور اس وجہ سے ایسا کیا ہو کہ امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں۔ تو ہم نے اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اگر کسی شخص نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ نماز کی تکبیر کے ساتھ ہی رکوع میں چلا گیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ اس نے قیام کو ضرورت کی وجہ سے ترک کیا ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے قیام مطلقا ضروری ہے لیکن قراءت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ قرات ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قراءت فرض نہیں، اگر قراءت فرض ہوتی تو قیام کی طرح ساقط نہ ہوتی لہذا جب ضرورت کے وقت قراءت ساقط ہو رہی ہے تو غیر ضرورت کے وقت بھی قرات ساقط ہو جائے گی۔

﴿باب الخفض فی الصلاۃ هل فیه تکبیر﴾

نماز میں جھکتے وقت تکبیر ہے یا نہیں؟اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کا مذہب:

بعض حضرات کے نزدیک نماز میں جھکتے وقت تکبیر نہیں ہے۔

دلیل:

حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تکبیر کو مکمل نہیں فرمایا کرتے تھے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب:

نماز میں جھکتے وقت تکبیر کہی جائے گی۔

دلیل:

ان ائمہ کرام نے اس بارے میں ان آثار سے استدلال کیا جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تواتر کے ساتھ منقول ومروی ہے۔چنانچہ

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"**ألا أصلی لکم صلاۃ رسول الله ﷺ، فصل بنا أربع رکعات، یکبر فیهن کلما خفض ورفع، وقال هکذا رأیت رسول الله ﷺ صلی**"یعنی کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤ،تو آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں چار رکعتیں پڑھائیں جن میں آپ تکبیر کہا کرتے تھے جب بھی اٹھتے یا جھکتے،اور فرمایا میں نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

حضرت عبدالرحمن الاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کو فرماتے ہوئے سنا"**کان رسول الله ﷺ وأبوبکر وعمر رضی الله عنهما یُتِمُّون التکبیر، یکبرون إذا سجدوا وإذا رفعوا، وإذا قاموا من الرکعة**"یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور شیخین کریمہ رضی اللہ عنہما تکبیر مکمل فرمایا کرتے تھے،اور جب سجدہ کرتے اور اٹھتے اور رکعت سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہا کرتے تھے۔

قیاس سے استدلال:

قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نماز میں جھکتے وقت تکبیر کہی جائے کیونکہ نماز میں جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو تکبیر کے ذریعے ہی ہوتے ہیں لہذا رکوع وسجود میں جاتے وقت بھی تکبیر کہی جائے گی۔

﴿باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل في ذلك رفع ام لا﴾

رکوع اور سجود کی تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ کے نزدیک تمام نمازوں میں رکوع کے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت، اور قاعدے سے قیام کی طرف اٹھنے کے وقت رفعِ یدین کرنا واجب ہے۔

دلیل:

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو دونوں کندھوں تک بلند کرتے اور قراءت ختم کرنے کے بعد جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو اسی طرح کرتے۔ اور جب فارغ ہوتے اور رکوع سے اٹھتے تو اسی طرح کرتے اور قعدہ کی حالت میں اس طرح نہ کرتے، اور جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو اسی طرح کرتے اور تکبیر کہتے۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر اولی میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "**أنه كان يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لا يعود**" یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام (نماز کی پہلی) تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر اس کا اعادہ نہ کرتے۔ (یعنی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے)۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**إن كان وائل رآه مرة يفعل ذلك، فقد رأه عبد خمسين مرة لا يفعل ذلك**" یعنی اگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک مرتبہ اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو پچاس مرتبہ اس طرح نہیں کرتے ہوئے دیکھا۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی دلیل کا جواب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی گئی وہ تو رفع یدین پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ چنانچہ

حضرت عاصم بن کُلَیب نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے، پھر اس کے بعد رفع یدین نہ کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کرتے تھے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دو صورتیں ہیں: 01) یا تو یہ صحیح نہیں ہے اور نہ رفع یدین کے ذکر میں اصل ہے۔

02) یا صحیح تو ہے لیکن منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان صحابی سے یہ متصوَّر نہیں ہو سکتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام رفع یدین کرتے ہوں اور خود بعد میں رفع یدین ترک کر دیں۔ ہاں یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا نسخ ثابت ہو۔ کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے یہی حسن ظن ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے خلاف عمل نہ کرتے۔

قیاس سے احناف کا استدلال:

قیاس بھی اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں اور ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، اور دو سجدوں درمیان کی تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ البتہ اختلاف رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے اور قاعدے سے قیام کی طرف منتقل ہونے کی تکبیر میں ہے۔ امام شافعی امام احمد بن حنبل اس اسے تکبیر تحریمہ پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ جس طرح تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اس میں بھی ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ اور احناف کہتے ہیں کہ ان تکبیرات کا تعلق تکبیر تحریمہ سے نہیں بلکہ دو سجدوں کے درمیان والی تکبیر سے ہے کہ جس طرح اس میں رفع یدین نہیں تو اس میں بھی رفع یدین نہیں ہو گا۔

﴿باب التطبیق فی الرکوع﴾

رکوع میں تطبیق سنت ہے یا نہیں؟اس میں ائمہ کرام کااختلاف ہے۔

فائدہ:

"تطبیق"کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں رکوع اور تشہد کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر گھٹنوں کے درمیان رکھ لینا۔

حضرت اسود، حضرت علقمہ اور حضرت ابراہیم نخعی کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک تطبیق رکوع میں سنت ہے۔

دلیل:

حضرت علقمہ واسود رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیاان لوگوں (امراء) نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی؟توان دونوں حضرات نے عرض کی جی ہاں! تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اوران دونوں میں سے ایک کو دائیں،دوسرے کو بائیں جانب کیا پھر ہم نے رکوع کیااور اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمارے ہاتھوں پر مارااور تطبیق کی، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی تطبیق کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں ران کے درمیان کر دیا پھر جب نماز پڑھ لی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔

ائمہ اربعہ کا مذہب:

ائمہ اربعہ کے نزدیک رکوع میں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ کرکے گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے۔

دلیل:

حضرت عبدالرحمن نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" أَمِسُّوا فقد سُنَّتْ لكم الرُّكَبُ"اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے لگاؤ کیونکہ گھٹنوں کو پکڑنا تمہارے لیے سنت کر دیا گیا ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ رکوع کرتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ کا تبصرہ:

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ روایات پہلی روایات کے معارض ہو گئیں، تو ہم نے نظر کرنے کا ارادہ کیا کہ ان آثار میں سے کونسی ناسخ اور کونسی منسوخ ہے۔ تو ہمیں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ملی کہ حضرت ابو یعفور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے والد کے برابر میں نماز پڑھی پھر میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں کو درمیان کیا تو میرے والد نے میرے ہاتھوں پر مارا اور کہا کہ "اے میرے بیٹے! ہم اس طرح کرتے تھے پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھیں"۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں کہ ان روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ تطبیق منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تطبیق کرنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا پہلا فعل تھا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا بعد کا فعل تھا لہذا یہ ناسخ ہوا اور تطبیق منسوخ۔ لہذا اب سنت رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا ہے۔

قیاس سے استدلال:

قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھا جائے۔ کیونکہ تطبیق میں ہاتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں جب کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے میں ہاتھ جدا ہوتے ہیں۔ پھر نماز میں اس جیسی دیگر حالتوں کو دیکھا کہ ان میں کیا کیفیت ہے؟ تو ہم نے دیکھا کہ احادیث میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حوالے سے یہی بات آئی کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام رکوع وسجود میں اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھا کرتے تھے۔ اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور اختلاف رکوع میں اعضاء کو ملانے اور جدا رکھنے میں ہے۔ تو مختلف فیہ کو متفق علیہ کے ساتھ ملا دیا گیا۔ تو جس طرح رکوع میں تفریق (یعنی اعضاء کو جدا رکھنا) افضل ہے اسی طرح دیگر اعضاء میں بھی تفریق افضل ہو گی۔

﴿باب مقدار الركوع و السجود الذي لا يجزئ اقل منه﴾

رکوع و سجود کی کم از کم مقدار کتنی ہے؟اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام اسحاق اور داؤد ظاہری کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک رکوع و سجود کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ رکوع میں تین بار" **سبحان ربی العظیم**"اور سجدے میں تین بار"**سبحان ربی الاعلی**" کہہ لیا جائے۔

نیز ایک مشہور روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جب تم میں سے کسی نے اپنے رکوع میں تین بار"**سبحان ربی العظیم**"کہا تو اس نے اپنا رکوع مکمل کر لیا اور یہ رکوع کا ادنی درجہ ہے۔اور جب کسی نے اپنے سجدے میں تین بار "**سبحان ربی الاعلی**"کہا تو اس کا سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ سجدے کا ادنی درجہ ہے۔

احناف،امام شافعی اور امام مالک کا مذہب:

ان حضرات کے نزدیک رکوع اور سجدے کی کم از کم مقدار ایک تسبیح کا وقت ہے۔اور تین بار رکوع و سجدے کی تسبیح کہنا سنت ہے۔نیز ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے۔

دلیل:

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اس حال میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے،تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا:"**إذا قمت فی صلاتك فكبر، ثم اقرأ إن كان معك قرآن، فإن لم يكن معك قرآن، فاحمد الله وكبرهلل، ثم اركع زحتى راكعا، ثم قم حتى تعتدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم اجلس حتى تصبين جالسا، فإذا فعلت ذلك فقد ملاتك، و ما نقصتَ من ذلك فإنما تنقص من صلاتك**"یعنی جب تم نماز کیلئے کھڑ ہو تو تکبیر کہو پھر اگر تمہیں قرآن آتا ہو تو قرآن پڑھو اور اگر تمہیں قرآن نہ آتا ہو تو اللہ کی تعریف کرو اور"**الله اکبر**"اور"**لا اله الا الله**"کہو پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ، پھر کھڑے ہو یہاں تک کہ سیدھے ہو جاؤ، پھر

سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ، پھر بیٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو جاؤ، تو جب تم نے ایسا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی اور اس میں سے جو تم کمی کرو گے تو اپنی نماز سے کمی کرو گے۔

﴿باب ما ينبغي ان يقال في الركوع والسجود﴾

رکوع و سجود میں کیا پڑھنا چاہیے ؟اس بارے میں ائمہ اکرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک نمازی رکوع و سجود میں جو دعا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام رکوع میں یہ دعا" **اللهم لك ركعت، وبك آمنت، ولك أسلمت، وأنت ربي، خشع لك سمعي وبصري ومخي وعظمي وعصبي، لله رب العالمين**"اور سجدے میں یہ دعا"**اللهم لك سجدت، ولك أسلمت، وأنت ربي، سجد وجهي للذي خلقه، وشق سمعه وبصره، تبارك الله احسن الخالقين**"پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک اور امام مالک کا مذھب:

حضرت عبد اللہ بن مبارک اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع میں "**سبحان ربي العظيم**"پڑھا جائے گا اور سجدے میں کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے۔

دلیل:

ان حضرات کی دلیل بھی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔اور ان حضرات نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام اس فرمان"**اما الركوع فَعَظِّمُوا فيه الرب**"کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے رکوع میں مختلف دعائیں پڑھنے والے فعل کے لیے ناسخ قرار دیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رکوع میں تعظیم رب کا حکم اس وقت دیا جب یہ آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ نازل ہوئی۔

ائمہ احناف کا مذہب:

ائمہ احناف کے نزدیک نمازی کے لیے رکوع و سجود میں تین تین بار "**سبحان ربي العظيم**"اور "**سبحان ربي الاعلى**"پڑھنا سنت ہے جبکہ امام نہ ہو۔

ائمہ احناف کی دلیل:

حضرت عامر جہمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**لما نزلت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ قال النبی ﷺ اجعلوها فی رکوعکم ولما ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ قال النبی ﷺ اجعلوها فی سجودکم**" یعنی جب آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں شامل کرلو۔(یعنی سبحان ربی العظیم کہو)۔اور جب آیت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ نازک ہوئی تو فرمایا اسے اپنے سجدے میں شامل کرلو۔(یعنی سبحان ربی الاعلی کہو)۔

قیاس سے استدلال:

قیاس بھی اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ رکوع و سجود میں "**سبحان ربی العظیم**" اور "**سبحان ربی الاعلی**" پڑھا جائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز شروع کرنے کے لیے، رکوع و سجود اور قاعدے سے قیام کی طرف جانے کے لیے، تکبیر کہی جاتی ہے اور تکبیر اللہ کا ذکر ہے اور ان تکبیرات سے ہر بندہ واقف ہے۔اور اس کے لیے تکبیر میں "**اللہ اکبر**" کے بجائے "**اللہ اجل**" یا "**اللہ اعظم**" کہنا اساءت (برا) ہے۔اسی طرح تشہد کے بجائے کوئی اور کلمات پڑھنا بھی اساءت ہے، البتہ تشہد کے بعد جو دعا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "**ثم لِيَتَخَيَّرْ من الدعاء ما أحب**" اور اس پر سب کا اجماع ہے، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ جس طرح نماز میں دیگر اذکار کی جگہ کچھ اور پڑھنا درست نہیں اسی طرح رکوع اور سجود میں بھی "**سبحان ربی العظیم**" اور "**سبحان ربی الاعلی**" کے بجائے کچھ اور پڑھنا درست نہیں۔

﴿باب الامام يقول "سمع الله لمن حمده" هل ينبغي له ان يقول بعدها "ربنا ولك الحمد" ام لا﴾

امام اعظم اور امام مالک کا مذہب:

امام اعظم وامام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک "سمع الله لمن حمده" صرف امام کہے گا مقتدی نہیں کہے گا، اور "ربنا ولك الحمد" مقتدی کہے گا امام نہیں۔ نیز ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلیل:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں نماز سکھائی اور فرمایا: "اذا كبر الامام فكبروا، واذا ركع فاركعوا، واذا سجد فاسجدوا، واذا قال سمع الله لمن حمده، فقولوا اللهم ربنا ولك الحمد، يسمع الله لكم، فان الله عزوجل قال على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم سمع الله لمن حمده" یعنی جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب رکوع تو تم بھی رکوع کرو، اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "اللهم ربنا ولك الحمد" کہو اللہ تمہاری سنے گا، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر "سمع الله لمن حمده" کہا۔

صاحبین اور امام شافعی کا مذہب:

صاحبین اور امام شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک امام تسمیع و تحمید دونوں کہے گا۔

دلیل:

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو کہتے "اللهم ربنا لك الحمد ملء السماء وملء الارض وملء ما شئت من شيء بعد" یعنی اے اللہ عزوجل، اے ہمارے رب، تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، آسمان بھر کر، زمین بھر کر، اور اسکے بعد جو چیز تو چاہے وہ بھر کر۔

مذکورہ دلیل کا جواب:

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے "تحمید" اس وقت کہی تھی جب آپ امامت فرما رہے تھے، ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا نماز پڑھ رہے ہوں۔

(نخب الأفكار، كتاب الصلاة: ج04، ص293)

قیاس سے استدلال:

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں صراحتًا مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام "ربنا ولك الحمد" کہا کرتے تھے۔

اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ منفرد "سمع الله لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہے گا۔ تو قیاس بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امام بھی منفرد کی طرح تسمیع کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہے گا کیونکہ امام بھی نماز میں وہی سب کام کرتا ہے جو منفرد کرتا ہے۔ جیسے تکبیر، قراءت، قیام، تشہد، اور اسی طرح امام کی نماز کے احکام بھی منفرد کی نماز کے احکام کی طرح ہیں۔ یعنی جن چیزوں سے مقتدی نماز فاسد ہو جاتی ہے یا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اسی طرح انہی چیزوں سے امام کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے یا امام پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ گویا امام نماز میں منفرد کی طرح ہے اور منفرد "تحمید" پڑھتا ہے تو قیاس کے مطابق امام بھی پڑھے گا۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ امام "سمع الله لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہے گا۔